اسلامی احکام اور عرف و عادت

(وضاحت مزید)

ڈاکٹر محمد خالد مسعود ☆

فکر و نظر کے شمارہ ۲ جلد ۳۲ میں محترم ڈاکٹر محمد امین صاحب کا مقالہ بعنوان "اسلامی احکام اور عرف و عادت" طبع ہوا' جس میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت فرمائی تھی' اگلے شمارہ (جنوری۔ مارچ ۱۹۹۵ء) میں جناب ڈاکٹر محمد خالد مسعود صاحب نے اسی موضوع پر قلم اٹھایا' اور ڈاکٹر صاحب کے پیش کردہ مفاہیم سے متعلق اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔ ہم نے محترم ڈاکٹر محمد امین صاحب سے درخواست کی اگر وہ ڈاکٹر محمد خالد مسعود صاحب کے نقطہ ہائے اعتراضات سے متعلق اپنی تحقیقات پر مشتمل مزید وضاحت پیش کرنا چاہیں تو فکر و نظر کے صفحات حاضر ہیں۔ ڈاکٹر صاحب محترم نے دوبارہ اس موضوع پر نہایت تفصیلی مقالہ مرتب فرما کر ہمارے حوالے کیا' ہم نے یہ مقالہ طبع ہونے سے پہلے جناب ڈاکٹر محمد خالد مسعود صاحب کی خدمت میں اس گذارش کے ساتھ پیش کیا کہ اگر وہ بھی اس سلسلے میں مزید وضاحت پیش کرنا مناسب خیال فرمائیں تو دونوں مقالات کو تازہ شمارہ میں یکجا نذر قارئین کیا جائے' اور فکر و نظر کے قارئین کو اس موضوع کی تمام تر جزئیات اور دونوں نقطہ ہائے نظر کو سمجھنے کا موقعہ فراہم کیا جائے' ڈاکٹر صاحب محترم نے اس سے متعلق ایک مختصر مگر جامع نوٹ ہمیں مرحمت فرمایا ہے' سو یہ دونوں تحقیقات پیش کی جارہی ہیں۔ ہمارے خیال میں اس موضوع سے متعلق دونوں نقطہ نظر کی وضاحت خاصی حد تک ہو چکی ' اس لئے اب اس بحث کو ختم کیا جا رہا ہے۔

(مدیر)

ڈاکٹر محمد امین صاحب نے میری معروضات کے حوالے سے اپنے موقف کی مزید وضاحت میں جو کچھ تحریر کیا ہے اس کے لئے میں بے حد ممنون ہوں۔ تاہم میرے خیال میں بنیادی سوال یہ تھا کہ ڈاکٹر امین صاحب نے اپنے وقیع مضمون میں جن لوگوں کی آراء پر محاکمہ پیش کیا ہے ان کا صراحت سے حوالہ دیں اور ان کی وہ آراء نقل فرمائیں جن کی بنا پر وہ ان کا ذکر " دینی علوم

☆ پروفیسر' ڈاکٹر محمد خالد مسعود' ادارہ تحقیقات اسلامی' بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی' اسلام آباد

سے بے بہرہ"، "مغربی فکر و تہذیب اور قانون سے مرعوب" کے القاب سے کرتے ہیں اور ان کا "قبلہ و کعبہ مغرب" قرار دیتے ہیں۔

تازہ مضمون میں بھی انہوں نے پھر کہا ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک اسلامی حدود آج کے مہذب معاشرے میں نافذ نہیں ہونا چاہئیں۔ یہ لوگ کون ہیں اس کی صراحت ڈاکٹر صاحب نے اب بھی نہیں فرمائی۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کا اشارہ ان سیاسی رہنماؤں اور قانون دانوں کی طرف تھا جو اپنے اخباری بیانات اور تقاریر میں کئی دفعہ اسلامی حدود کی مذمت کر چکے ہیں اور نجی مجلسوں میں آئے روز کرتے رہتے ہیں"۔ میری ڈاکٹر صاحب سے درخواست تھی کہ وہ ان لوگوں کی آراء کو انہی کے الفاظ میں نقل فرما کر باقاعدہ حوالے کے ساتھ اس کا تجزیہ فرمائیں تاکہ دونوں طرف کے استدلالات سامنے آ سکیں۔ اگر یہ آراء قابل استناد نہیں تو ان پر محاکمہ بھی غیر ضروری ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلے میں اپنے موقف کی تائید میں شاہ ولی اللہ کی عبارت پیش کی اور اسی عبارت کے حوالے سے علامہ شبلی اور علامہ اقبال کا حوالہ دیتے ہوئے پھر بغیر صراحت کے کہا کہ "بدقسمتی سے شاہ صاحب کی ایک عبارت کو سمجھنے میں علامہ شبلی سے معمولی تسامح ہوا اور پھر جو شبلی نے نہیں کہا تھا وہ بھی بعض لوگوں نے ان کے سر منڈھ دیا بلکہ اسے علامہ اقبال کا موقف قرار دے ڈالا"۔ مجھے ڈاکٹر صاحب کے اس اسلوب تحقیق اور طرز تحریر سے شدید اختلاف ہے۔ "بعض لوگوں" کی بجائے حوالہ واضح ہونا چاہئے تاکہ قاری اگر چاہے تو یہ توثیق بھی کر سکے کہ محقق نے مخالف کی عبارت کو صحیح سمجھا ہے اور نقل کیا ہے۔ یہ انداز علمی تحریروں میں مناسب نہیں اور نہ ہی اس سے بحث و نظر میں پیش رفت ہو سکتی ہے۔ جہاں تک حدود کے بارے میں شاہ ولی اللہ کی عبارت کی بات ہے میرے خیال میں علامہ شبلی اور علامہ اقبال دونوں نے اسے صحیح سمجھا ہے۔

ڈاکٹر امین صاحب یہ تو مانتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ کی عبارت کا جو ترجمہ علامہ شبلی نے کیا ہے وہی صحیح ہے تاہم ان کا کہنا ہے کہ علامہ شبلی کو شاہ صاحب کی عبارت کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ میری رائے میں یہ بات وضاحت طلب ہے کہ ترجمہ صحیح ہوتے ہوئے عبارت کا مطلب کیسے غلط لیا جا سکتا ہے۔

دراصل "اسلامی حدود" کا مسئلہ بہت ہی نازک اور پیچیدہ ہے۔ اس پر مزید علمی اور اصولی بحث کی اشد ضرورت ہے۔ اس مسئلے پر رائے عامہ سے ہٹ کر بات کرنے والوں کو طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنایا جائے تبھی بات آگے بڑھ سکتی ہے۔ ابھی تو اس موضوع کے بنیادی مباحث بھی تشنہ ہیں۔ انہیں میں سے تعزیرات میں قانون سازی اور حدود اور تعزیر میں فرق کا مسئلہ ہے۔ مثلاً زنا کے مقدمات کی بہت سی صورتیں ایسی ہو سکتی ہیں جہاں موجود فقہی آراء کی روشنی میں حد نافذ نہیں ہو سکتی۔ مثال کے طور پر جہاں واقعہ کے چشم دید گواہ تعداد کی شرط پر پورے نہ اتریں یا شہادت کی اہلیت کی شرائط پوری نہ کریں تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ جرم ہوا ہی نہیں یا کسی قسم کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ لہٰذا ایسی صورتوں میں تعزیرات میں قانون سازی کی ضرورت ہے تاکہ ایسے جرائم میں جہاں حدود کا نفاذ نہ ہوتا ہو تعزیراتی قوانین عمل میں لائے جا سکیں۔ اگر موجودہ فقہی احکام کی بعینہ پابندی کی جائے تو اکثر حدود میں صرف اقرار جرم پر ھی سزا نافذ ہو سکتی ہے۔ ہمارے آج کے نظام میں اقرار جرم کو کسی حد تک سزا کی بنیاد بنایا جا سکتا ہے۔ یہ سارے مسائل بحث طلب ہیں۔ غالباً یہ کہا جا سکتا ہے کہ حدود میں مقرر کردہ سزائیں انتہائی سزائیں ہیں اور انتہائی صورتوں میں ہی دی جا سکتی ہیں۔ البتہ ان جرائم کے سدباب کے لئے مقامی عرف وعادات کو سامنے رکھ کر تعزیرات کے ضابطوں کو مزید بہتر بنایا جانا ضروری ہے۔ اور اس میں تخفیف، مصالح اور درجہ بندی کے لئے اسلامی اصولوں کو سامنے رکھنا ہوگا کیونکہ مقصود سزاوں کا نفاذ نہیں، جرائم کا سدباب ہے۔